تاریخ کا ایک ورق

دیارِ دیوبند کی طرح اکوڑہ سے علوم نبوت کا منبع بھی پھوٹا تو دوسرے علاقوں کی طرف نکل جائیگا ہفت روزہ البلاغ پشاور کی ایک تاثراتی رپورٹ جو مئی ۱۹۵۰ء کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر شائع کی گئی

دارالعلوم کے ابتدائی سنین میں عام مدارس کی طرح دارالعلوم حقانیہ کا بھی سالانہ جلسۂ دستار بندی ہؤا کرتا تھا جس میں پاک و ہند کے اکابر علماء، مشائخ، محدثین، زعماء اور اکابرینِ ملت شرکت فرمایا کرتے تھے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، محدثِ کبیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ، جامع المعقول والمنقول مولانا رسول خان صاحبؒ، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، شاہ ولی اللہ عصر شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ، مولانا عبدالحنان ہزارویؒ، خطیبِ اسلام مولانا احتشام الحق تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، متکلمِ اسلام مولانا شمس الحق افغانیؒ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ نے بار بار دارالعلوم کے سالانہ جلسوں میں تشریف لاکر سامعین و متعلقینِ دارالعلوم کے دامن کو علوم و معارفِ نبوت سے مالامال فرمایا۔
ذیل میں ۲۷، ۲۸ مئی ۱۹۵۰ء کے سالانہ جلسۂ دستار بندی کا ایک تاثر جسے محمد اقبال فیصل آبادی نے لکھا اور پشاور کے معروف ہفت روزہ "البلاغ" نے ۸ جون ۱۹۵۰ء کے شمارہ میں شائع کیا، نذرِ قارئین ہے۔ جو دارالعلوم کے تاریخی پس منظر اور اس وقت کے روح پرور اجتماعات سے پیدا ہونے والی علمی و دینی اور روحانی فضا کی ایک جھلک بھی ہے۔ (ادارہ)

۲۷، ۲۸ مئی ۱۹۵۰ء کو اکوڑہ خٹک میں جو عدیم المثال اجتماع ہؤا اُس میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا، میں اگر یہ کہوں کہ سرحد کی تاریخ میں یہ اجتماع اپنی نظیر آپ تھا تو یہ ایک حقیقت ہوگی۔ میں ۲۷ مئی کو ظہر کے وقت اکوڑے پہنچا اور دور ہی سے دارالعلوم کی طرف سے بنایا گیا پنڈال نظر آنے پر ہم اُسے توقعات سے زیادہ کامیاب سمجھنے پر مجبور ہوگئے۔ یہ ایک وسیع پنڈال تھا جس میں حسنِ انتظام کا مشاہدہ عام تھا، مجلسِ استقبالیہ کے اراکین و رضا کاران و بہی خواہانِ دارالعلوم نہایت تندہی و مستعدی سے اپنے اپنے کام میں مشغول تھے جس سے نظم و ضبط کی باقاعدگی اور کارکنوں کی مخلصانہ ہمدردی کا پتہ چلتا تھا۔

ٹھیک تین بجے بعد دوپہر اسی تاریخ کو اجتماع کی پہلی نشست شروع ہوئی۔ اسٹیج کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ علماءِ سرحد و بیرونِ سرحد کثیر تعداد میں اسٹیج پر جلوہ افروز تھے جس سے اس اجتماع کے بابرکت ہونے کا دل کو یقین تھا۔ وہی رنگ جو اہل اللہ کی مجلسوں میں، وہی سیدھے سادے طور طریقے جو انسانیت کی خود ساختہ و خود عائد کردہ پابندیوں سے مُبرّا ہوتے ہیں، اور وہی رونق و آثارِ خیر و برکت جو چند ہم مقصد اور باخلوص لوگوں کے صدق و صفا کا نمونہ بنا کرتے ہیں، یہاں اپنی پوری خصوصیات سے پائے جاتے تھے۔ اندازہ سے یہ معلوم کر لینا چنداں مشکل نہیں تھا کہ اس اجتماع کو کامیاب بنانے کی جدوجہد میں اہالیانِ اکوڑہ نے پورا پورا حصہ لیا تھا۔ پنڈال پُر رونق اور پوری طرح مزین تھا، اجتماع میں خاصی ہماہمی تھی، حاضرین میں سکون و اطمینان کی لہر نہایت وضاحت سے اس چیز کا ثبوت بن رہی تھی کہ آسمانی برکات کا نزول بجا طور پر ہو رہا ہے، اور ہر چہرے پر بشاشت اس چیز کو ظاہر کر رہی تھی کہ ہر حاضرِ مجلس خواہ وہ کارکنوں میں سے ہو، دارالعلوم سے متعلق ہو یا شرکت کرنے والوں میں سے کوئی ایک ہو اپنے اپنے مقصد میں کامیاب تھا۔ شریک ہونے والے جس تشنگی کو بجھانے کے لیے اس سخت گرمی کے موسم میں یہاں کھنچ آئے تھے انہیں اس کی اُمید پوری ہوتی نظر آ رہی تھی اور اس تبلیغی دوڑ دھوپ کے میدان میں کام کرنے والے جو اپنی حوصلہ افزائی اور اس مقصدِ نیک سے تعاون کرنیوالوں کی تلاش میں تھے اور شاید جن کی آنکھوں میں کبھی کبھار جلسے کے انعقاد سے پہلے اکوڑہ کی مختصر حیثیت پر نظر کرتے ہوئے گردو پیش کا جائزہ لیتے وقت اور اپنی کوششوں کو ہر نئے کام کرنے والے کی طرح معمولی خیال کرتے ہوئے ناکامی کا بھیانک تصور بھی پھر جاتا ہوگا، اس وقت اپنی کامیابی پر شاداں و فرحاں تھے۔

اسی نشست میں دارالعلوم کے ۴۲ فارغ التحصیل طلباء کو دستارِ فضیلت دی گئی، یہ ایک غور و فکر کا مقام تھا اور تھوڑی دیر کے لیے میرا دماغ اور تمام چیزوں سے ہٹ کر کچھ دُور کی باتوں میں کھو گیا، میری تمام تر توجہ ادھر مبذول ہو گئی کہ آج اُسی اثر کے ماتحت جس کی بناء پر ہم دین کی نہایت ہی محدود حلقے میں حد بندی کر چکے ہیں، ہماری تعلیمات کا دائرہ بھی تنگ ہو کر رہ گیا ہے۔ مجھے اُنہی حالات کی بناء پر جو اس اجتماع کی خصوصیات سے پیدا شدہ تھے یہ سوچنا پڑ رہا تھا کہ دین

ے لوگوں کی طبیعتیں کیوں ہٹ گئیں؟ اسی کے ساتھ میرے ذہن کو یہ اُلجھن بھی لاحق تھی کہ ان فضلاء کا مستقبل دورِ حاضر میں کیا نوعیت اختیار کرتا ہے؟ اور میرے دماغ کے تمام گوشوں میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق بانیٔ دارالعلوم حقانیہ کے یہ الفاظ گونج رہے تھے کہ :-

"تعلیم کا یہ مقصد نہیں کہ ایک قوم کو مادّی فوائد حاصل کرنے کے لیے اور سرکاری عہدوں اور ملازمت کے لالچ کی خاطر تعلیمی مراکز کی طرف مائل کیا جائے، کیونکہ اس کا نتیجہ اخلاق کی درستگی اور ذہنی ارتقاء نہیں بلکہ شکم پروری ہے"۔

اردگرد کی بلند و بالا پہاڑیاں، ان کے نشیب میں اکوڑہ کی پُرسکون آبادی جس کے لیے علمِ دین کا سرچشمہ بننا مقدر ہو چکا تھا اور اس کے ایک پہلو میں دریائے لنڈا ئیک رفتار سے رواں دواں تھا جس سے یہ یقین محکم ہو جاتا ہے کہ یہاں سے اسی طرح اسلامی تعلیمات کا سمندر بھی ایسے ہی بل کھاتا ہوا دوسرے علاقوں کی طرف نکل جائے گا۔

طلباء کی دستار بندی کا سلسلہ بدستور جاری تھا، طلباء ترتیب وار آ رہے تھے اور حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی اور مولانا بادشاہ گل صاحب آف اکوڑہ کے متبرک ہاتھوں سے دستارِ فضیلت حاصل کر رہے تھے۔ یقیناً میرے نزدیک یہ ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس، سادہ طریقوں کے دلدادہ اور وقت کے حد درجہ بھلا دینے والے حالات کے باوجود آج مدتوں پہلے کے طریقوں کو نہ بھولنے والے دنیا کی حقارت آمیز نظروں کی پرواہ نہ کرنے والے اور مستقبل کی تاریکیوں کو سمجھتے ہوئے کے باوجود ثابت قدم رہنے والے جنہوں نے یہ سمجھتے ہوئے اور اچھی طرح یہ جانتے ہوئے کہ انہیں موجودہ معاشرے میں کوئی جگہ نہیں دی جائے گی، اپنی عمرِ عزیز کا ایک قیمتی حصّہ دین کے علم کی تحصیل میں صرف کر دیا جس قدر خود پر فخر کریں بجا ہے اور غالباً اُن کی دستار بندی کے وقت اسی چیز پر تمام حاضرین کی توجہ تھی کہ وہ انہیں اس بے جگری سے وقت کی قربانی کر کے علمِ دین کے حصول پر صمیمِ قلب سے مبارکباد پیش کر رہے تھے۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ اس وقت ہر دل ان نوجوانانِ ملت کی خوش بختی پر قبضہ کر رہا تھا، عوام انہیں مبارکباد کہہ رہے تھے، علماء و مشائخ انہیں دُعائیں دے رہے تھے اور ان کی ذمہ داریوں کی اہمیت کا احساس بھی کرا رہے تھے۔

رات کی نشست میں جس وقت شریک ہوا تو کچھ اور ہی رنگ پایا، مجمع اس قدر تھا کہ دارالعلوم کا وسیع پنڈال بھرنے کے بعد سائبانوں سے باہر بھی لوگ دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ جلسہ گاہ برقی قمقموں سے بُقعہ نور بنی ہوئی تھی اور اسٹیج پر سرحد کے تمام شعراء نظر آ رہے تھے، ۹ بجے جب مشاعرے کی بزم باقاعدہ منعقد کی گئی تو صحیح معنوں میں اُس حقیقت کی نقاب کشائی ہو گئی کہ مذہب و دین خشک مزاجیوں کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ اسلام نے زندگی کے ہر مناسب پہلو کو مناسب انداز میں پیش کرنے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ حمایت کی ہے۔

دارالعلوم کے زیرِ اہتمام یہ مجلسِ مشاعرہ نہایت پاکیزہ انداز کی رہی، اس کی نوعیت میں یگانگت پائی جاتی تھی، اور یہ چیز میرے اپنے خیال میں سرحد کے اس اجتماع کی ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ علماء کے ہمرکاب شعراء تھے اور علماء شعراء کے ہمنوا تھے اور اس محفلِ رنگ کے بعد پھر وہی رنگ تھا جس میں انسانیت کو رموزِ حیات سے آشنا کرایا جا رہا تھا اگرچہ وہ ہمارے خیال کے بموجب آج سے "بہت دنوں پہلے" کی باتیں تھیں لیکن اس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں کہ یہی زندگی کو کامیاب بنانے کے اصلی گُر تھے۔

بہر صورت میں اس اجتماع کی تینوں نشستوں میں کچھ ایسا رنگ اور ایسا ذائقہ پاکر آیا کہ مجھے ابھی تک اس کی یاد آ رہی ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ اکوڑہ میں اجتماع اس درجہ کامیاب رہا، لیکن یہ استعجاب یہ سوچنے پر دور ہو جاتا ہے محنت رائیگاں نہیں جاتی۔ اس وقت اسی چیز کی ضرورت ہے کہ ہم جن لائنوں پر چل کر بھٹک گئے ہیں اُن سے رُخ پھیر کر پھر اسی سمت کو پُر اُمید نظریں پھیر لیں جہاں سے جادۂ منزل کا نشان ملتا ہے۔

یہ جلسہ گاہ کا ایک تاثر تھا اور جلسہ گاہ سے باہر! ــــ اردگرد بلند و بالا پہاڑیاں، ان کے نشیب میں اکوڑہ کی پُرسکون آبادی جس کے نصیبوں میں علمِ دین کا سرچشمہ بننا تھا اور اس کے ایک پہلو میں دریائے "لنڈا ئیک رفتاری سے رواں تھا جس سے یہ یقین محکم ہو جاتا ہے کہ یہاں سے اسلامی تعلیمات کا سمندر بھی ایسے ہی بل کھاتا ہوا دوسرے علاقوں کی طرف نکل جائے گا۔

سالہا در کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید برون